تفسیرِ قرآن میں اسبابِ نزول کا مقام

محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کسی خاص واقعہ کے سبب نازل ہوتی ہیں، یا ان میں کسی سوال کا جواب دیا گیا ہے، یا کسی مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جو کسی واقعہ یا سبب یا سوال کے بغیر نازل ہوئی ہیں۔ ایسے واقعہ یا سوال کو، جس کے نتیجے میں قرآن نازل ہوا ہو، سببِ نزول یا شانِ نزول کہا جاتا ہے۔

مفسرین کرام نے سببِ نزول کی معرفت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور ایسے واقعات کو، جن کی طرف آیاتِ قرآنی میں اشارہ پایا جاتا ہے، یا ان کے بعد وہ آیات نازل ہوئی ہیں، اپنی تفسیروں میں بڑے اہتمام اور دلچسپی سے بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر علماء نے مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ علامہ زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ) کے مطابق اس موضوع پر سب سے پہلے امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کے استاد علی ابنِ مدینیؒ (م ۲۳۵ھ) نے کام کیا ہے، اور سب سے زیادہ شہرت امام ابوالحسن الواحدیؒ (م ۴۶۸ھ) کی کتاب اسباب النزول کو حاصل ہوئی ہے۔ [۱] حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے بھی اسباب نزول پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے خود اپنی بھی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے جس کا نام لباب النقول فی اسباب النزول ہے۔ [۲] علوم القرآن کی کتابوں میں بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ چناں چہ ابنِ تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)، زرکشیؒ، سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنی کتابوں میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

اسبابِ نزول کی اہمیت:

تفسیر قرآن میں اسباب نزول کو کس قدر اہمیت حاصل ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف نقطۂ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔بعض حضرات نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے اسبابِ نزول کی معرفت کو لازمی قرار دیا ہے۔جب کہ بعض حضرات اس کی افادیت کے تو قائل ہیں،لیکن اس سے استفادہ میں بہت محتاط ہیں۔امام واحدیؒ فرماتے ہیں:

هی أوفی ما یجب الوقوف علیها و أولیٰ ما تصرف العنایة الیها لا متناع معرفة تفسیر الآیة و قصد سبیلهادون الوقوف علی قصتها و بیان نزولها ۳؎	اسبابِ نزول سے واقفیت اور دلچسپی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ آیت کی تفسیر کا علم اور اس کے مدّعا کا حصول اس کے واقعہ سے واقفیت اور اس کے سببِ نزول کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔

علامہ ابنِ دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

بیان سبب النزول طریق قوی فی فهم معانی الکتاب العزیز ۴؎	سبب نزول کا بیان معانی قرآن کے فہم کا زبردست ذریعہ ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ سببِ نزول کی معرفت کو فہمِ قرآن میں معاون قرار دیتے ہیں:

معرفةسبب النزول تعین علی فهم الآیة ،فان العلم بالسبب یورث العلم بالمسبّب ۵؎	سبب نزول کی معرفت آیت کے فہم میں مدد دیتی ہے اس لیے کہ سبب کے علم سے مسبّب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نظر اعتدال پر مبنی ہے۔انہوں نے ایک طرف اس غلو کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے جس کا عام طور سے مفسرین ،راویان اور مولفینِ اسبابِ نزول شکار ہوئے ہیں، دوسری طرف بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں معرفتِ اسبابِ نزول کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ الفوز الکبیر کی ابتدا میں قرآن کے علوم پنج گانہ (علم احکام،علم مباحثہ،علم تذکیر بآلاء اللہ،علم تذکیر بایام اللہ اور علم

تذکیر بالموت) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو، خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی، ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانتے ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے مقصودِ اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اس لئے آیاتِ مباحثہ کے نزول کے لیے مخاطبین میں عقائدِ باطلہ کا وجود اور آیاتِ احکام کے لیے ان میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لیے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے۔ خاص خاص واقعات، جن کو بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے (ان کا) اسبابِ نزول میں چنداں دخل نہیں ہے۔ مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیش تر ہوا ہو، کیوں کہ سننے والے کے دل میں اس اشارہ سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو بدوں قصہ کی تفصیل معلوم کیے زائل نہ ہوگا۔ بدیں وجہ ہم پالازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی بے تعلق) واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ [۶]

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اکثر اسبابِ نزول کا آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں ...... محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی نے قصہ آفرینی میں جس قدر افراط کی ہے (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت ایک قصہ لاتے ہیں) محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے اور ان کے اسناد میں نقصانات ہیں۔ ان لوگوں کے افراط کو علم تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے۔ اور اس کے حفظ پر فہمِ کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنا دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہے'' [۷]

اسبابِ نزول کے فوائد:

علامہ زرکشیؒ نے علمِ اسبابِ نزول سے واقفیت کے متعدد فوائد بیان کئے ہیں:

۱) اس سے اس حکمت کا پتا چلتا ہے جس کی بنا پر حکم کو مشروع کیا گیا۔
۲) اس سے حکم کی تخصیص کا علم ہوتا ہے (ان لوگوں کے نزدیک جو خصوصِ سبب کا اعتبار کرتے ہیں)۔
۳) اس سے آیاتِ قرانی سمجھ میں آتی ہیں۔
۴) اس سے حصر کا وہم دور ہوتا ہے: مثلاً آیت **قُلْ لاَ اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً** (الانعام ۔۱۴۵) میں بظاہر حصر پایا جاتا ہے، مگر سببِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حصر نہیں ہے۔
۵) اس سے اشکال رفع ہوتا ہے، مثلاً سورۃ آل عمران کی آیت:

لاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ العَذَابِ.

تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کئے ہیں۔

اس آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک عمومی وصف پر دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ۸

شاہ ولی اللہؒ نے بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں بعض مقامات پر آیات کے معانی صحیح طور پر اس وقت تک نہیں سمجھے جا سکتے جب تک کہ ان کے اسبابِ نزول نہ معلوم ہوں۔ چناں چہ انھوں نے ایک جگہ کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے بارہ (۱۲) اسباب گنائے ہیں۔ ان میں تیسرا سبب ''اسباب نزول کا یاد نہ رہنا'' ہے ۹ انھوں نے اس کی کوئی مثال نہیں ذکر کی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے متعدد مثالیں دی ہیں ۱۰

اعتبار عمومِ لفظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سببِ نزول کا:

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ علمائے اصول کے درمیان اس بات میں اختلاف

ہے کہ آیاتِ قرانی میں اصل اعتبار عمومِ لفظ کا ہوگا یا خصوصِ سبب کا؟ انھوں نے اول الذکر کو صحیح تر قرار دیتے ہوئے اس کی یہ دلیل دی ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام مخصوص واقعات کے پس منظر میں نازل ہونے والی آیات کے عموم سے استدلال کرتے تھے اور یہ چیز ان کے درمیان عام اور معروف تھی [۱۱]

علامہ سیوطیؒ سے قبل علامہ ابنِ تیمیہؒ نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ انھوں نے بہت سی مثالیں دی ہیں کہ بعض آیات کے سلسلے میں صحابہ کرام کہتے تھے یہ آیات فلاں اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہوتی تھی کہ ان آیات کا حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بات کوئی مسلمان اور کوئی صاحبِ عقل کہہ ہی نہیں سکتا۔ انھوں نے اس سلسلے میں مذکورہ اختلاف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے کتاب وسنت کے عموم کو بعض متعیّن اشخاص کے ساتھ خاص کرنے کی بات کہی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حکم اس شخص کے ساتھ اور اس طرح دیگر اشخاص کے ساتھ خاص ہے [۱۲]

اس سلسلے میں علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:

وقد يكون السبب خاصاً والصيغة عامة لينبّه على ان العبرة بعموم اللفظ [۱۳]	بسا اوقات سبب مخصوص ہوتا ہے، لیکن صیغۂ عمومی کا استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہے۔

انھوں نے علامہ زمخشریؒ کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ بسا اوقات سبب خاص ہوتا ہے مگر وعید عام ہوتی ہے، تاکہ جو شخص بھی اس قبیح فعل کا ارتکاب کرے، اس کو شامل ہو اور اس میں مذکورہ تعریض کا اس پر بھی اطلاق ہو۔ اس میں زیادہ زجر وتوبیخ ہے [۱۴]

شاہ ولی اللہؒ اسبابِ نزول کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ جن واقعات کی جانب آیات میں کثرت سے تعریضات آئی ہوں ان کو بیان کرنا وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن جن واقعات کے بغیر آیات کے معانی سمجھ میں آجاتے ہوں اور وہ اپنے

عموم کے اعتبار سے مستقل ہوں ان کی تفسیر میں واقعات کو نقل کرنے کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

''سبب نزول کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا ہو جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہوگئی۔ چناں چہ احد و احزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقوں کی مذمت نازل فرمائی، تاکہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے اور اس مدح و ذم میں اس خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اس واقعہ کی مختصر تاریخ لکھ دی جائے، تاکہ ان آیات کا سیاق پڑھنے والوں پر منکشف ہو جائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کے معنی اس حادثہ کے معلوم کئے بغیر ہی، جو کہ سببِ نزول ہوا ہے، اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں، اور اس میں حکم عموم لفظ کا معتبر ہے، نہ کہ خصوص سبب نزول کا۔ مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کرکے کہ اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کردیا جائے، یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا کوئی مصداق ذکر کیا جائے، اس قصہ (سببِ نزول) کو ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے قصوں کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے'' [۱۵]

اسبابِ نزول اور مناسبت:

مفسرین کے درمیان ایک بحث یہ پائی جاتی ہے کہ آیتِ قرانی کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں پہلے سببِ نزول ذکر کیا جائے یا آیات کے درمیان مناسبت بیان کی جائے؟ دونوں میں سے کیا اولیٰ ہے؟ علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مناسبت کی وضاحت سببِ نزول پر موقوف ہو تو سببِ نزول کو پہلے ذکر کرنا بہتر ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ پہلے مناسبت ذکر کی جائے۔ انھوں نے اس کی ایک مثال بھی دی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا نَصِیْباً مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا سَبِیْلاً (آیت:۵۱)	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

اس آیت کا سببِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد یہود کا ایک سردار کعب بن اشرف مکّہ گیا۔ وہاں اس نے مشرکینِ قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اکسایا ان مشرکوں نے اس سے سوال کیا کہ بتاؤ، محمد (ﷺ) سیدھے راستے پر ہیں یا ہم لوگ؟ اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا: تم لوگ۔ اس آیت میں اس کی جانب اور اس جیسے دیگر یہود کی جانب اشارہ ہے، جو اپنی الہامی کتابوں میں آں حضرت ﷺ کے اوصاف پاتے تھے، یہ چیز ان کے پاس امانت تھی، مگر انھوں نے اس میں خیانت کیا اسی سباق میں آگے ایک آیت میں عمومی خطاب ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (آیت:۵۸)	اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔

یہ سببِ نزول ذہن میں رہے تو مذکورہ دونوں آیتوں کے درمیان مناسبت کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے، اس لیے اسے پہلے ذکر کرنا اولیٰ ہے۔

اسبابِ نزول کے سلسلے میں ضروری امور

تفسیر قرآن کے لئے اسبابِ نزول کے سلسلے میں کن چیزوں کی معرفت ضروری ہے اور کن چیزوں کی معرفت ضروری نہیں؟ شاہ ولی اللہؒ نے اس پر تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے۔ انھوں نے ان امور کی نشان دہی کی ہے جنھیں عام طور سے مفسرین و محدثین اسبابِ نزول کی حیثیت سے بیان کرتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کا شمار اسبابِ نزول میں نہیں ہوتا اور ان کا جاننا مفسّر کے لئے ضروری نہیں ہے۔ ساتھ

ہی وہ ان امور کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے واقف ہونا تفسیرِ قرآن کے لئے ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

''محدثین آیاتِ قرآنی کے ذیل میں ایسے بہت سی اشیاء کا ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقۃ اسبابِ نزول میں داخل نہیں ہوتیں، مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا، یا آیت سے تمثیل دینا، یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضورؐ کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا، یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس غرض یا موقع نزول یا اسماء مذکورہ فی الآیۃ کے مبہم کی تعیین میں موافقت حاصل ہو، یا کسی کلمۂ قرآنی کے لیے ادائے تلفظ کا طریقہ، یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آں حضرت ﷺ کے امثالِ امرِ قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر۔ درحقیقت یہ تمام باتیں اسبابِ نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ ان کا احاطہ کرنا مفسّر کی شرائط میں داخل ہے۔

مفسّر بننے کے لیے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے۔ ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں، کیوں کہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسّر نہیں آسکتا اور دوسرے وہ قصّے جن سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو، مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ، کیوں کہ آیات کے اصل مقصد کا علم ان قصص کی موافقت کے بدوں ممکن نہیں'' ؎۱۷

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں:

''بالجملہ جو امور مفسّر کے لیے شرط ہیں وہ ان دونوں سے زیادہ نہیں ہیں: ایک غزوات وغیرہ کے قصّے جن کی خصوصیات کی جانب آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں تا وقت یہ کہ ان واقعات کا علم نہ ہو، اس وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدّد کے ایسے اسباب جن کا علم کیفیتِ نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے'' ؎۱۸

اسباب نزول کے صیغے:

صحابۂ کرام اور تابعین عظام جب کسی آیت کے ضمن میں "نزلت الآیة فی کذا" کہہ کر کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک وہ واقعہ اس آیت کا سبب نزول ہے، بلکہ اس سے ان کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ واقعہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے، آیت کے نزول کا براہ راست سبب نہیں ہے۔

یہ بات علوم قرآنی کے تمام محققین مثلاً ابن تیمیہؒ ۱۹ زرکشیؒ ۲۰ سیوطیؒ ۲۱ وغیرہ نے لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق بھی یہی ہے انھوں نے اس نکتہ پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

'' کلام حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے استقراء سے جس قدر ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ "نزلت فی کذا" (یہ آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی) کسی قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہو کر نزول آیت کا سبب ہوا۔ ان کی عادت ہے کہ مصداق ہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانۂ نبوی یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کر کے "نزلت فی کذا" کہہ دیا کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر تمام قیود کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔ ہاں اصل حکم میں انطباق چاہئے اور بس۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول ﷺ کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا یا آپ کے زمانۂ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو اور آں حضرت ﷺ نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں "نزلت فی کذا" ایسی خاص صورتوں میں کبھی فانزل اللہ تعالیٰ قولہ کذا یا صرف منزلت بھی استعمال کرتے ہیں ان کا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا کسی آیت سے استنباط اور آپ کے قلبِ مبارک میں اس وقت اس آیت کا القاء بھی وحی اور نفث فی الروع کی ایک قسم ہے۔ یہی وجہ ہے جو اس موقع پر لفظ فانُزلت کا

استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی شخص نزول کے ساتھ اس کو تعبیر کرے یہ بھی ممکن ہے۲۲؎
اسی کی وضاحت آگے یوں فرماتے ہیں:

''یہاں جان لینا چاہئے کہ حضراتِ صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات کے بارہ میں قصہائے مخصوصہ اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں اور ایسے موقع پر وہ اکثر کہہ دیتے ہیں نزلت الآیة فی کذا اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اس طرح کے واقعات کی نسبت نازل ہوئی۔ ان کی مراد اس سے عام ہوتی ہے کہ سببِ نزول وہی واقعہ ہو یا اس کے مانند اور کوئی یا آیت اس کے قریب نازل ہوئی ہو۔ اس صورت خاص کے اظہار سے ان کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ صورت اس امورِ کلیہ کے لیے (جن کا اظہار و بیان ضروری ہے) ایک اچھی تصویر ہے۔ اس لیے بسا اوقات ان کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھینچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں اس کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۲۳؎

اس نقطۂ نظر کو متاخرین نے بھی قبول کیا ہے۔ مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں:

''شانِ نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیات یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت یا کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسرِ موقع حاوی ہوتا ہے...... یہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ یہ احوال و مسائل درپیش تھے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ سورہ کے نزول کے لیے کیا محرکات اور اسباب موجود تھے...... جس وقت جو سورہ بھی نازل کی گئی وہ اس غرض کے لیے نازل کی گئی ہے کہ جو معاملات محتاجِ توضیح و تشریح ہیں ان کی توضیح و تشریح کر دی جائے اور کلام ایسا ہو کہ اس کے نظم میں کسی قسم کا التباس و ابہام نہ ہو''۔۲۴؎

مولانا مودودی نے ابن تیمیہؒ، زرکشیؒ اور سیوطیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''شانِ نزول کے بارے میں بہت سی روایات کا حال یہی ہے کہ کسی آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو دراصل اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ جب وہ واقعہ پیش آیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ آیت اس واقعہ پر ٹھیک چسپاں ہوتی ہے''۔ ۲۵

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''شانِ نزول کے بارے میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینے کی ہے کہ مفسرین جب کسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جب واقعہ پیش آیا اسی وقت وہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے اس آیت کا تعلق ہے''۔ ۲۶

اسبابِ نزول سماعی ہیں یا اجتہادی؟

اسبابِ نزول کے سلسلے میں ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں جو اسباب نزول مروی ہیں وہ سب سماعی ہیں یا ان میں کچھ اجتہادی بھی ہیں؟ امام واحدیؒ انھیں سماعی اور مبنی بر روایات قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

لا یحلّ القول فی أسباب نزول الکتاب الاّبالروایة والسماع ممّن شاھدوا التنزیل و وقفوا علی الاسباب و بحثوا عن علمھا و جدّوا فی الطلاب ۲۷

کتاب اللہ کے اسباب نزول کے سلسلے میں کوئی بات کہنی جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان لوگوں کی روایت سے یا ان سے سن کر کہی جائے جنھوں نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا تھا، اس کے اسباب سے واقف تھے، ان کا علم حاصل کیا تھا اور اس سلسلے میں جدّ و جہد کی تھی۔

دیگر حضرات تمام اسبابِ نزول کو سماع و روایت پر مبنی نہیں قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کا خیال ہے کہ صحابہ کرام نے بعض اسباب نزول قرائن کے ذریعے بیان کیے ہیں اور ان میں ان کا اجتہاد شامل ہے ۲۸ اس معاملے میں شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نظر بھی

یہی ہے کہ اسباب نزول میں اجتہاد کو دخل ہے، اسی وجہ سے بعض آیات کے سلسلے میں ایک سے زائد اسباب نزول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں:

''اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہے کہ حضراتِ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل ہوئی، مگر ان کا مقصود صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض ایسے مخصوص حادثات کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہے۔ اس سے عام ہے کہ وہ واقعہ جس کو انھوں نے سببِ نزول کہا ہے، نزولِ آیت سے مقدم ہو یا موخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی، آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو۔ واللہ اعلم

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو اس سببِ نزول میں کچھ دخل ہے اور اسبابِ نزول میں متعدد قصّوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے۔ جس شخص کو یہ نکتہ محفوظ ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسباب نزول کا حل ادنیٰ تامل اور تھوڑی توجہ سے کر سکتا ہے۔[۲۹]

شاہ ولی اللہؒ نے اسبابِ نزول کے اختلاف کو حل کرنے کی صورتیں تجویز نہیں کی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے اختلاف کی چھ صورتوں کی نشان دہی کی ہے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔[۳۰]

اسبابِ نزول کے مآخذ:

گزشتہ سطور میں شاہ ولی اللہؒ کا نقطۂ نظر گزر چکا ہے کہ وہ اسبابِ نزول، جن کو تفسیر قرآن میں بیان کرنے ضرورت ہے، بہت کم ہیں۔ انھوں نے ایک معیار متعین کیا ہے۔ ان کے نزدیک امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے اپنی کتابوں کے ابوبِ تفسیر میں جو اسباب نزول بیان کیے ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں، اس لیے انھیں آیات قرآنی کی تفسیر وتشریح کے ضمن میں بیان کرنا چاہیے۔ خود انھوں نے فتح الخبیر میں ان اسباب نزول کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسباب نزول اور توجیہاتِ مشکل کو بخاری،

ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسنادِ صحیحہ سے صحابہ یا رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا ہے۔ ہم بھی ان کو بطور تنقیح و اختصار باب پنجم میں نقل کریں گے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اوّل یہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کے لیے ضروری ہے، چناں چہ غرائبِ قرآن کی شرح، جس قدر ہم نے ذکر کی ہے، وہ نہایت ضروری ہے، دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسبابِ نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ البتہ صرف ان قصص کو کچھ دخل ہے جن کا ان سہ تفاسیر میں ذکر ہے، جو محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں [۳۱]

حواشی و مراجع

۱۔ البرھان فی علوم القرآن، بدرالدین الزرکشی، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، دار احیاء الکتب العربیہ مصر، طبع اول ۱۹۵۷ء ۲۲/۱

۲۔ الاتقان فی العلوم القرآن، جلال الدین سیوطی، المطبعۃ الازہریۃ مصر ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء، جلد اوّل ص ۲۸

۳۔ اسباب النزول، ابوالحسن واحدی، طبع مصر، ۱۳۱۵ھ ص ۳

۴۔ البرھان ۲۲/۱، الاتقان ۲۸/۱

۵۔ مقدمۃ فی اصول تفسیر، ابن تیمیہ، المطبعۃ السلفیۃ مصر، ۱۳۹۷ھ، طبع سوم، ص ۱۱

۶۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہؒ، اردو ترجمہ رشید احمد انصاری، مکتبہ برھان، اردو بازار دہلی، ص ۵

۷۔ الفوز الکبیر: ص ۴۳

۸۔ البرھان ۲۲/۱-۲۷ (بتلخیص)

۹۔ الفوز الکبیر ص ۳۰

۱۰۔ ملاحظہ کیجیے الاتقان ۲۸/۱-۲۹

۱۱۔ الاتقان ۲۹/۱
۱۲۔ مقدمہ، ص ۱۰-۱۱
۱۳۔ البرھان ۳۲/۱
۱۴۔ البرھان، حوالہ سابق
۱۵۔ الفوز الکبیر، ص ۷۶-۷۷
۱۶۔ البرھان ۲۶/۱، ۳۴
۱۷۔ الفوز الکبیر، ص ۳۹
۱۸۔ الفوز الکبیر، ص ۴۱-۴۲
۱۹۔ مقدمہ، ص ۱۰
۲۰۔ البرھان ۳۱/۱-۳۲
۲۱۔ الاتقان ۳۱/۱
۲۲۔ الفوز الکبیر، ص ۳۸
۲۳۔ الفوز الکبیر، ص ۳۹-۴۰
۲۴۔ مولانا فراہی تفسیر نظام القرآن، مقدمہ (۱) شان نزول، دائرۂ حمیدیہ سرائے میر، اعظم گڑھ
۲۵۔ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، سورۂ دہر، جلد ششم، ص: ۱۸۲، ۱۹۸۱ء
۲۶۔ مولانا مودودی، رسائل ومسائل، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۷ء، دوم، ص: ۶۴
۲۷۔ اسباب النزول، ص ۳
۲۸۔ الاتقان ۳۱/۱
۲۹۔ الفوز الکبیر، ص ۷۷
۳۰۔ الاتقان ۳۱/۱-۳۳
۳۱۔ الفوز الکبیر، ص ۴۳

☆☆☆